

انتخاب

علامہ اقبال رحمہ سے ایک گفتگو

وطن دوستی اور اسلام

مولانا عبد المجید سالک مرحوم و مغفور

ایک دن میں نے علامہ اقبال سے سوال کیا - کہ آپ تو قومیت و وطنیت کے سیاسی تصور کو اسلام کے خلاف سمجھتے ہیں - پھر مصطفیٰ کمال کی تعریف کیوں کرتے ہیں جس نے دنیائے اسلام میں صوبہ سے پہلے مغربی انداز کی قومیت پرستی کی بنیاد رکھی اور غیر ترک قوموں سے اپنا دامن چھڑا کر اپنی لٹی جمہوریہ کو صرف ترکوں کے لئے مخصوص کر دیا - فرمانے لگے کہ میں جو کچھ بیان کرتا ہوں وہ اسلام کا مثالی و عینی تصور ہے جس تک پہنچنے کے لئے ہمیں بعض مرحلوں میں سے گزرنا ہو گا اگر زمانہ حاضر میں نیشنلزم ہی حصول قوت کا ذریعہ ہے - تو مسلمان قوموں کو اسے اختیار کر لینا چاہیے - کیونکہ اس مادی دنیا میں حصول قوت ہر قوم کا نصب العین ہے اور اس کے بغیر زندگی ممکن نہیں - میرے نزدیک اس میں مضائقہ نہیں کہ الغانی - ایرانی - عراقی - شامی - حجازی - مصری - عرب اور ترک اپنی اپنی حدود کے اندر اپنی اپنی قوم کو طاقتور بنانے میں مصروف ہو جائیں - میں نے گزارش کی تو اس کا نتیجہ یہی ہو گا کہ جس طرح یورپ کی قومیں الگ الگ طاقت حاصل کرنے کے بعد ایک دوسری کو بھاڑ کھانے میں مصروف ہیں - اسی طرح مسلمان قومیں بھی جب قوت حاصل کر لیں گی تو انہی کے نقش قدم پر چلیں گی کیونکہ اس جغرافیائی قومیت سے عصبیت اور خونخواری کے سوا دنیا کو کچھ حاصل نہیں ہوتا ، فرمانے لگے - یہ صحیح ہے اسی لئے تو میں بار بار اخوت اسلامی اور اتحاد عالم اسلام پر زور دیتا رہتا ہوں - اور میرے نزدیک مصطفیٰ کمال سے بھی یہ مقصد پوشیدہ نہیں - چنانچہ انہوں نے میثاق سعد آباد سے اس

اتحاد کا آغاز بھی کر دیا ہے اگرچہ ابھی یہ میثاق بالکل ابتدائی حیثیت رکھتا ہے لیکن آگے چل کر اسلامی ملکوں کے درمیان جارحانہ و مدافعانہ معاہدے کی صورت اختیار کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ دنیائے اسلام کے علماء - شعرا - ادبا اور صحافیوں کا فرض ہے کہ اپنی اپنی قوم اور اپنے اپنے جغرافیائی مسکن و موطن کی تقویت کے ساتھ ہی ساتھ یہ نصب العین مسلسل و متواتر مسلمان کے سامنے پیش کرتے رہیں - کہ اسلام ایک وحدت ہے - اور اس کے اجزا کو ہر حال میں متحد رکھنا ہے - ورنہ وہ وحدت کثرت میں بدل جائے گی - اور اسلام کا مقصد (یعنی توحید نوع السانی) فوت ہو جائے گا - عیسائی قوموں کے سامنے ایسا کوئی نصب العین نہیں تھا لہذا وہ دینی اخوت کے تصور پر قائم نہ رہ سکیں مسلمان قوموں کے سامنے ایک خدا، ایک رسول، ایک دین، ایک کعبہ اور اخوت اسلامی کا روشن نصب العین موجود ہے اگر انہوں نے اس نصب العین کو ترک نہ کیا تو مسلمان قومیں حصول قوت کے بعد بھی ایک دوسرے کی دشمن نہ بنیں گی - اور یورپ کی فتنہ انگیز اور فساد آموز قومیت پرستی کی تقلید کا شکار نہ ہوں گی -

میں نے دوسرا سوال کیا - کہ آپ مسلمانوں کو بحیثیت مجموعی تو اتحاد، ترقی اور سر بلندی کی تعلیم دیتے ہیں لیکن ہندوستان کے مسلمانوں کو حب وطن کی تلقین نہیں فرماتے آپ کا کلام اس موضوع سے بالکل خالی ہے - یہ سن کر مسکرائے - اور کہنے لگے کہ وطن اس خطہ ارضی کو کہتے ہیں جس میں کوئی قوم اپنے دین - اپنی ثقافت - اپنے ادب اور اپنی معاشرت کی حفاظت و ترقی پر پوری طرح قادر ہو جب ہندوستان کے مسلمان اپنا وطن پیدا کر لیں گے تو ان پر بھی حب وطن اسی طرح فرض و واجب ہوگی جس طرح دوسری قوموں پر ہے اور تم نے دیکھا نہیں کہ میں نے ان مسلمان قوموں کو جن کے وطن موجود ہیں قومیت کے نام پر بھی ابھارنے کی کوشش کی ہے، ”او غافل افغان“ اور امیر اسان اللہ کے نام پیغام سے یہ ظاہر ہے - اس کے علاوہ میں نے قوم ترک کو ترک کی حیثیت سے غیرت دلائی ہے - جب مسلمانان ہند اپنا وطن پیدا کر لیں گے تو اسی اپیل کے وہ بھی مخاطب ہوں گے -

اس گفتگو کی کیفیت بیان کرنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ جو نوجوان،

اقبال کے کلام کو پڑھ کر یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام میں وطن کا کوئی تصور ہی نہیں۔ اور پاکستان سے کامل وابستگی اسلام کے کسی اصول کے خلاف ہے وہ متنبہ ہو جائیں۔ اور اقبال کے کلام کو اس گفتگو کی روشنی میں پڑھیں۔ اقبال ایک طرف تو ترکوں کے ایک قبیلے کی عظمت کا ذکر کر کے دوسرے قبیلے کو غیرت دلاتے ہیں۔ کہ تم کو کیا ہو گیا ہے۔

درفش عظمت عثمانیاں دوبارہ بلند

بجیر تم کہ بہ تیموریاں چہ افتاد است

اور پھر ہندوستان کے پائے تخت کا ذکر کس انداز سے کرتے ہیں کہ

ہزار مرتبہ کابل فزوں ترز دہلی است

کہ این عجوزہ عروس ہزار داماد است

وہ امان اللہ خان سے کہتے ہیں کہ ”کوش در تہذیب افغان غیور“ حالانکہ قاعدے کے اعتبار سے انہیں یہ کہنا چاہیئے تھا۔ کہ مسلمان کی تہذیب کے لئے کوشش کرو۔ لیکن اقبال کی حقیقت نگری کا تقاضا یہی تھا کہ وہ ہر مسلم قوم کے زعمیوں کو اسی مسلم قوم کی خدمت اور تقویت کی تلقین کریں۔ کیا اس سے یہ نتیجہ واضح طور پر نہیں نکلتا کہ اگر اقبال قیام پاکستان کے وقت زندہ ہوتے تو حب وطن۔ خدمت وطن اور غیرت وطن کی تلقین سب سے بڑے علم بردار ہوتے؟ اور مسلمانوں کو اپنے وطن سے کامل طور پر وابستہ رہنے اور اس کی قوت میں اضافہ کرنے کی نصیحت شب و روز فرماتے؟

اقبال نے جس پاکستان کا تصور ہم کو دیا۔ وہ یہ تھا کہ ایک ایسا ملک جس میں مسلمان سر بلندی اور آبرو مندی کی زندگی بسر کریں۔ اپنے دین اپنی ثقافت کو چار چاند لگائیں۔ اپنی مادی قوت کو اتنا بڑھائیں کہ دنیا ان کی عزت کرنے پر مجبور ہو جائے اور اس کے ساتھ ہی وہ اخوت اسلامی اور اتحاد عالم اسلام کے بھی نقیب و علم بردار رہیں۔ جس کی تعلیم و تلقین سے اقبال کا کلام ابتدا سے انتہا تک معمور ہے۔ پاکستان کے نوجوانوں کو چاہیئے کہ اس تصور کو عملی صورت دینے میں شبانہ روز مصروف رہیں۔

روایت احادیث میں صحابہ رضہ کا اختلاف

امام ابو الحسن اشعری کے مذهب کو ہم وقعت کی نظر سے دیکھتے ہیں، اور ہماری رائے میں وہ صحابہ کے مذهب کے مطابق ہے، اور اسی کا تمثیل ہے۔ اس کا مسلک ارادہ متجددہ کی فرع اور اس کے ماتحت ہے۔ اس کے علم و معرفت کا دار و مدار اسی پر ہے۔ یہ اصول اس کے پیش نظر رہتا ہے کہ ہر ایک غیر ضروری تفصیل کو نظر انداز کیا جائے۔ اگر تم کو صحابہ کے مذهب پر عبور حاصل ہے۔ تو تم اس نتیجے پر پہنچو گے کہ امام موصوف کا مذهب در حقیقت اس کے مطابق ہے۔

اعمال کے متعلق ہمارا نظریہ یہ ہے کہ احادیث کی چھان بین کی جائے۔ اور تفقہ اور درایت کے ساتھ ان کے مطابق اپنے اعمال کو درست کیا جائے۔ حکیم ربانی کے نزدیک قیاسات میں سے صرف وہی مقبول ہے۔ جو قیاس جلی ہو یا وہ قیاس خفی جس کی بنا مصلحت عامہ پر ہو۔ جو لوگ اتباع رائے میں تعمق کرتے ہیں، وہ قطعاً اہل سنت نہیں۔

صحابہ سے جو اختلاف احادیث کی روایت کرنے میں واقع ہوا ہے، اس کے کئی اسباب ہیں :-

ایک تو یہ کہ وہ اکثر روایت بالمعنی کرتے ہیں۔ دوسرے ایک راوی کسی عبارت یا کسی فقرے کو حدیث میں سے حذف کر دیتا بر خلاف اس کے دوسرا راوی اسے بیان کر دیتا۔ تیسرے ایک راوی کو کچھ وہم سا ہو جاتا تھا، اور اس لئے اس کی تعبیر دوسرے راویوں سے مختلف ہوتی تھی۔ چوتھے بعض اوقات نسیان کی وجہ سے اختلاف ہو جاتا اور ایک لفظ دوسرے سے بدل جاتا۔

آیات کی شان نزول میں اس لئے اختلاف پیدا ہوا کہ بسا اوقات جب صحابہ کرام کسی آیت کی تفسیر کرتے لگتے تو اس کا مصداق واضح کرنے کے لئے

کوئی قصہ بطور مثال بیان کرتے یا کوئی ایسا واقعہ سناتے ، جو عہد نبوت میں واقع ہوا ہوتا۔ اور اس آیت میں جو حکم کلی تھا اس کی جزئیات میں سے ہوتا۔ یہ سن کر راوی خیال کرتا کہ آیت کے نزول کا سبب بعینہ وہ قصہ یا واقعہ ہے ، اور اسی کے بارے میں یہ آیت یا آیات نازل ہوئیں۔ وقت نزول میں اختلاف پیدا ہونے کا باعث یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی واقعہ کے پیش آنے پر کلام مجید کی کسی آیت یا آیات سے استشہاد فرماتے یا اس واقعہ کا حکم اس آیت یا آیات سے استنباط فرماتے اس سے راوی کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ اسی واقعہ کے لئے یہ آیت یا آیات نازل ہوئی ہیں۔

احکام شرعیہ کے متعلق جو اختلاف صحابہ میں پیدا ہوا ، اس کا باعث یہ ہے کہ آپ کی سنتیں مختلف ہیں۔ کسی نے ایک پر عمل کیا ، کسی نے دوسری سنت کی پیروی کی۔ یا یہ کہ دو صحابیوں نے بیک وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی عمل کرتے دیکھا۔ یا آپ کی حدیث سنی۔ لیکن ایک نے اس کی ایک طرح پر توجیہ کی ، دوسرے نے اس کو کسی اور علت یا جہت پر محمول کیا۔ وقت اور جگہ اور آراء مختلفہ کی بنا پر اکثر مصالح میں اختلاف ہو جاتا ہے۔ اس لئے ایک ہی سوال کے دو مختلف جواب ہو سکتے ہیں۔ راوی اکثر اس بات کو نظر انداز کر دیا کرتے تھے۔ صحابہ کا درجہ کمال بھی مختلف ہے کوئی خلیفہ ہونے کی استعداد رکھتا ہے۔ کوئی فقیہ اور کوئی اس سے فقیہ تر ہے۔ صحابہ ہی کا اختلاف بعد کے لوگوں کے لئے اختلاف کا موجب ہوا۔

اس بات کو خاص طور پر یاد رکھو کہ ایمان کی اصل یہ ہے کہ آدمی کا ظاہر و باطن اللہ تعالیٰ کا مطیع و فرمان بردار ہو۔ اس لئے کسی نہ کسی شکل میں حکمت ، عصمت اور وجاہت اس کا اقتضائے ذاتی ہے۔ اگرچہ یہ عالم مادی ان صفات کے کماحقہ ، ظہور میں آنے سے مانع ہے اسی طرح کفر کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی ظاہر اور باطن میں اللہ کے حکموں سے رو گردان ہو۔ اس لئے اس کا ذاتی اقتضا یہ ہے کہ وہ ان اوصاف کے اعداد سے موصوف ہو۔

(اردو ترجمہ از ”خیر کثیر“ مصنفہ شاہ ولی اللہ)